باب 8

علّامہ محمد اقبالؔ کا عہد

13085CH08

آزاد اور حالی کی کوششوں سے نظمِ جدید نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ وہ نظم تھی جو بڑی حد تک اپنے موضوعات کے اعتبار ہی سے نہیں تکنیک کے اعتبار سے بھی نئی تھی۔ چوں کہ ان شعرا کی ذہنی تربیت مشرقی آدابِ فن کے تحت ہوئی تھی اس لیے انھوں نے اپنی نظموں میں قصیدے، مثنوی یا مرثیے کی مروّجہ ہیئت ہی کا استعمال کیا۔ موضوعات کا دائرہ بھی بے حد محدود تھا۔ نظم شاعر کے اندر کی آواز نہیں بنی تھی۔ ابھی نظم کو ایک ایسے شاعر کا انتظار تھا جو نظم کو پوری طرح قائم کر دے۔ یہ کام اقبال نے کیا۔ اقبال کے مفاہیم و موضوعات میں ہمہ گیری تھی۔ ان کی زبان میں تخلیقی جوہر نمایاں تھا۔ ان کی نظموں کی تکنیکوں اور اسالیب میں بھی رنگارنگی تھی۔ اگرچہ اکبرالہ آبادی اقبالؔ کے قریبی پیش رو تھے لیکن ان کے دائرۂ کار کی ایک الگ دنیا تھی جو بے حد مخصوص بھی تھی۔ عہدِ اقبال میں نظمؔ طباطبائی، سرؔور جہاں آبادی، سیمابؔ اکبرآبادی، چکبست لکھنوی، عظمت اللہ خاں اور جوشؔ ملیح آبادی نے نظم کو نئے نئے اسالیب سے متعارف کرایا۔ موضوعات کا دائرہ بھی وسیع ہوا۔ شعرا نے نظم کے پیرایے میں اپنے عہد کے خارجی اور داخلی اضطراب کو بھی جگہ دی اور ان مسائل کو بھی موضوع بنایا جن کا تعلق وطنِ عزیز کی محکومی سے تھا۔ شعرا نے حبّ الوطنی کے نغمے گائے اور ایسی نظمیں لکھیں جن کا مقصد آزادی کے پرستاروں کے حوصلوں کو تازہ دم رکھنا تھا۔

نظمؔ طباطبائی (1852/53-1933) : ان کا نام سید علی حیدر تھا۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی۔ 1868 میں اپنے والد کے ساتھ مٹیا برج (کلکتہ) چلے گئے۔ وہیں انھوں نے درسِ نظامی کی تعلیم مکمل کی۔ نظم طباطبائی 1887 تک کلکتے میں ہی مختلف ملازمتیں کرتے رہے۔ پھر 1918 میں وہ دارالترجمہ حیدرآباد سے وابستہ ہوگئے۔ یہاں انھوں نے کئی کتابوں کے ترجمے کیے اور شائع ہونے والی کتابوں پر نظرِ ثانی کی۔ مختلف علوم کی اصطلاحات وضع کرنے میں بھی انھوں نے اہم حصّہ لیا۔ ان کا انتقال حیدرآباد میں ہوا۔

نظم طباطبائی عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں سے بہ خوبی واقف تھے۔ فلکیات اور علمِ عروض سے انھیں خصوصی دل چسپی تھی۔

انھوں نے 1900 میں دیوانِ غالبؔ کی مکمل شرح حیدرآباد سے شائع کی۔ اس شرح کا معیار اور اس کی علمی سطح خاصی بلند ہے۔ اس میں غالبؔ کے اشعار کا تنقیدی محاکمہ پیش کیا گیا ہے اور محاسنِ شعر کو نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ کئی جگہ خامیوں کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ نظم طباطبائی کا ایک اور اہم کارنامہ ان کی نظم 'گورِ غریباں' ہے۔ اس میں انھوں نے انگریزی زبان کے شاعر ٹامس گرے (Thomas Gray) کے 32 بندوں پر مشتمل مشہور نوحے (Elegy written in a Country Churchyard) کا ترجمہ جس فنّی اہتمام اور ہنرمندی سے کیا ہے، وہ حیرت انگیز ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمے میں اصل نظم کا سوز اور درد انگیزی کی کیفیت برقرار ہے۔ 'دیوانِ طباطبائی' اور 'صوتِ تغزل' ان کے شعری مجموعے ہیں۔

سرورؔ جہان آبادی (1873-1910) : ان کا نام درگا سہائے تھا۔ پیلی بھیت (اتر پردیش) کے قصبہ جہان آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی۔ بعد کی تعلیم مولوی سید کرامت حسین سے حاصل کی۔ انھیں کی صحبت میں شعروسخن کا شوق پیدا ہوا اور سرور نے انھیں سے اصلاح شعر بھی لی۔

سرور کو انگریزی پڑھنے کا بھی شوق ہوا۔ ایک پوسٹ ماسٹر سے انگریزی کی تعلیم حاصل کی اور بعد میں مڈل اسکول کا امتحان پاس کیا۔ وہ بچپن ہی سے نظمیں کہنے لگے تھے جو اس عہد کے مشہور رسالوں میں شائع بھی ہوئیں۔ سرورؔ نے غزلیں بھی کہیں، بچوں کے لیے شاعری بھی کی اور کئی انگریزی نظموں کا منظوم ترجمہ بھی کیا لیکن ان کی شہرت و عظمت ان کی نظم نگاری کے سبب ہے۔ سرور کی نظموں میں جذبۂ حبِّ وطن اور منظر نگاری کے حسین مرقعے ملتے ہیں۔ 'جامِ سرور' اور 'خم خانۂ سرور' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ قومی شاعری کے فروغ میں ان کا نام اہمیت کا حامل ہے۔

علّامہ محمد اقبالؔ (1873/77-1938) : اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان اصلاً کشمیری تھا۔ انھوں نے سیالکوٹ کے مشہور عالم شمس العلما مولوی سید میر حسن کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت کے ابتدائی مراحل طے کیے۔ سیالکوٹ کے اسکاچ مشن اسکول سے 1893 میں میٹرک اور 1895 میں انٹر پاس کیا۔ اس کے بعد انھوں نے گورنمنٹ کالج، لاہور سے 1897 میں بی۔ اے اور 1899 میں فلسفے میں ایم۔ اے کیا۔ فلسفے کے ان کے استاد پروفیسر ٹامس آرنلڈ تھے۔ 1905 میں اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ چلے گئے۔ وہاں انھوں نے 1907 میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے 'فلسفۂ عجم' کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ 1908 میں انھوں نے لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور اسی سال وطن واپس آ گئے۔

اقبال کو اپنی عمر کے ابتدائی حصّے میں سید میر حسن کی سر پرستی میں جو شعری ماحول میسّر آیا، اس نے ان کے دل میں شعر کہنے کا شوق پیدا کر دیا۔ قیاس ہے کہ وہ میٹرک کا امتحان پاس کرنے سے پہلے ہی سیدھی سادی غزلیں کہنے لگے تھے۔ 1894 کے آس پاس اقبال داغؔ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے اور بذریعۂ ڈاک اپنی غزلیں حیدر آباد بھیج کر ان سے اصلاح لینے لگے لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصے تک جاری نہیں رہا۔ داغؔ نے اصلاح کی ضرورت نہ دیکھ کر انھیں جلد ہی فارغ کر دیا۔ گورنمنٹ کالج، لاہور کے زمانۂ طالب علمی میں اقبال لاہور میں منعقد ہونے والی شعری نشستوں میں باقاعدہ شرکت کرنے لگے۔ اس زمانے میں روایتی انداز کی غزل گوئی کے بجاے وہ نئے انداز کی نظم گوئی کی طرف مائل ہو گئے۔ انھوں نے انجمن حمایتِ اسلام کے بڑے بڑے جلسوں میں جب اپنی نظمیں سنائیں تو وہ بے حد پسند کی گئیں۔ ادھر شیخ عبدالقادر کے رسالے 'مخزن' میں بھی ان کی نظمیں نمایاں مقام حاصل کرنے لگیں۔ 1904 میں اقبال نے انجمن کے جلسے میں اپنی مشہور نظم 'تصویرِ درد' سنائی جو وطن پرستی اور ہندو مسلم اتحاد کی عمدہ مثال ہے۔

اقبال اردو کے وہ منفرد شاعر ہیں جن کے یہاں شاعری اور فکر گھُل مل کر ایک ہو گئے ہیں۔ وہ انسان کی عظمت کے قائل ہیں اور انسان کو آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے ہماری قومی زندگی کو ذہنی و فکری اعتبار سے انتہائی بلندیوں سے ہم کنار کیا ہے۔ انھوں نے اہلِ مشرق کے سوئے ہوئے ذہن کو جگانے اور انھیں زندہ قوم بنانے کے فرائض انجام دیے۔

اقبالؔ کا عہد سماجی اور سیاسی تبدیلیوں کا عہد تھا۔ اس عہد میں ترقی کی رفتار تیز تھی۔ دولت مند ممالک میں اقتدار اور دولت کی ہوس اور بڑھ گئی تھی۔ پس ماندہ اقوام پہلے کے مقابلے کچھ زیادہ ہی مظالم کا شکار تھیں۔ نو آبادیاتی نظام، لبرلزم اور جمہوریت کے نام پر اپنے اقتدار کا دائرہ وسیع کرتا جا رہا تھا۔ ایسے میں اقبالؔ اپنے عہد کی آواز بن کر اٹھے اور ان کی شاعری پس ماندہ اقوام کے لیے بیداری کا پیغام بن گئی۔

اقبالؔ کی شاعری کے ناقدین نے ان کے کلام کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور ابتدا سے 1905 تک ہے۔ اس دور میں اقبالؔ حقیقت کے متلاشی نظر آتے ہیں اور مشاہدۂ فطرت کے ذریعے کائنات کے سر بستہ رازوں تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ ان کی نظمیں 'ہمالہ'، 'گلِ رنگیں'، 'انسان اور بزمِ فطرت' اور 'کنارِ راوی' اس کیفیت کا پتا دیتی ہیں۔ اسی دور میں اقبالؔ نے وطنیت اور ہندو مسلم اتحاد پر بھی نظمیں کہیں۔ 1905 سے 1908 تک اقبالؔ کا قیام

یورپ میں رہا لہٰذا ان کے دوسرے دور کا کلام قیامِ یورپ سے متعلق ہے۔ یہاں وہ زندگی میں حرکت اور عمل کے قائل نظر آتے ہیں۔ 1908 کے بعد اقبالؔ کی شاعری کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں ان کا ذہن کئی طرح کی الجھنوں کا شکار رہا۔ مشرقِ وسطیٰ میں اسلامی ریاستوں پر نوآبادیاتی طاقتوں کے تسلط نے اقبالؔ کو مظلوموں کی حمایت پر مجبور کر دیا۔ ان کی اس دور کی نظموں میں 'شعاعِ آفتاب'، 'طلوعِ اسلام' اور 'خضرِ راہ' قابلِ ذکر ہیں۔ اس دور میں اپنے پیغام کو ہندوستان سے باہر پہنچانے کے لیے انھوں نے فارسی میں شعر کہنا شروع کیا۔

اقبالؔ کو بے پناہ شہرت شاعری کے ذریعے حاصل ہوئی تاہم ان کی نثری تصانیف بھی کم اہمیت کی حامل نہیں۔ ان کی پہلی باقاعدہ نثری تصنیف 'علم الاقتصاد' ہے۔ 'فلسفۂ عجم' اقبالؔ کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر انھیں میونخ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی تھی۔ 1930 میں ان کے انگریزی خطبات کا مجموعہ 'Reconstruction of Religious Thoughts in Islam' کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔ 1958 میں بزمِ اقبالؔ لاہور کی طرف سے اس کتاب کا اردو ترجمہ 'تشکیلِ جدیدِ الٰہیاتِ اسلامیہ' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے خطبات، مقالات اور مکاتیب کے بھی متعدد مجموعے ہیں۔ ان کے مکاتیب کا کلّیات اردو اکادمی، دہلی نے چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔ 'بانگِ درا'، 'بالِ جبریل'، 'ضربِ کلیم' اور 'ارمغانِ حجاز' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ 'ارمغانِ حجاز' کا ایک حصّہ فارسی کلام پر مشتمل ہے۔

کلامِ اقبال کی بنیاد عشق، خودی اور عمل پر قائم ہے۔ اقبالؔ کے فارسی کلام میں 'اسرارِ خودی'، 'رموزِ بےخودی'، 'پیامِ مشرق'، 'زبورِ عجم'، 'جاوید نامہ'، 'مسافر' اور 'پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق' شامل ہیں۔ اقبالؔ، غالب کے علاوہ فارسی میں حافظؔ، بیدلؔ، نظیریؔ اور رومیؔ سے متاثر ہیں۔ فارسی کے مشہور شاعر رومیؔ کو وہ پیرِ رومی اور خود کو مریدِ ہندی کہتے ہیں۔

مشرق اور مغرب کے جن مفکرین سے اقبالؔ متاثر ہوئے ان میں حضرت شیخ احمد سرہندی مُجدّد الفِ ثانی، جلال الدین رومیؒ، گوئٹے، برگساں اور نطشے قابلِ ذکر ہیں۔

اقبالؔ نے شعری ہیئت اور افکار و اسالیب کی سطح پر اپنے بعد کی نسل کو بہت متاثر کیا۔ اُن کے بعد جوشؔ، فیضؔ، فراقؔ، ن۔م۔ راشدؔ اور اختر الایمان جیسے شاعروں نے بھی اردو شاعری میں تاریخی رول ادا کیا، اس کے باوجود اقبال بیسویں صدی کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ اقبال کی غزلوں سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

گرچہ میں تیری دید کے قابل رہا نہیں
تو میرا شوق دیکھ، مرا انتظار دیکھ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی تھا

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اگر کج رَو ہیں انجم، آسماں تیرا ہے یا میرا؟
مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا؟

چکبست لکھنوی (1882-1926) : ان کا نام پنڈت برج نرائن چکبست تھا۔ وہ کشمیری برہمن تھے۔ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ وکالت ان کا پیشہ تھا۔ جن شعرا نے اردو میں قومی شاعری کو فروغ دیا ان میں چکبست کا اہم مقام ہے۔ ان کی شاعری کے خاص موضوعات 'حبّ الوطنی' اور قومی بیداری ہیں۔ بال گنگا دھر تلک اور گوپال کرشن گوکھلے کے عزم و عمل سے وہ بہ طورِ خاص متاثر ہوئے۔ انھوں نے ان کی تعریف و تحسین میں نظمیں بھی لکھی ہیں۔

چکبست بنیادی طور پر نظم گو شاعر ہیں۔ ان کی زبان میں سادگی اور پُرکاری پائی جاتی ہے۔ اس میں ہندی تلمیحات نے بھی رنگ بھرا ہے۔ سیاسی خیالات کی آمیزش نے ان کی شاعری کو عصری احساسات کا آئینہ بنا دیا۔ 'صبحِ وطن' ان کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ چکبست مشترکہ تہذیب کے علم بردار تھے۔ 'آصف الدولہ کا امام باڑہ'، 'پھول مالا' اور 'رامائن کا ایک سین' ان کی بہترین نظمیں ہیں۔ ان کی غزل کا یہ شعر بھی بہت مشہور ہے :

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انھی اجزا کا پریشاں ہونا

صحنِ چمن سے دُور انھیں باغباں نہ پھینک
تنکے جو یادگار مرے آشیاں کے ہیں

عظمت اللہ خاں (1887-1927): عظمت اللہ خاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابھی وہ پانچ ہی برس کے تھے کہ ان کے والد انھیں اپنے ساتھ لے کر دہلی سے حیدر آباد جا بسے جہاں انھوں نے ابتدائی تعلیم پائی۔ بعد میں وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ وہاں سے فراغت کے بعد وہ حیدر آباد واپس آ گئے اور محکمۂ تعلیمات میں ملازم ہو گئے۔ تپِ دق کے مرض میں حیدر آباد ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

عظمت اللہ خاں نے اردو شاعری کو ہندی بحروں اور اوزان سے متعارف کرایا۔ اس تجربے سے اردو شاعری میں نئی لے اور نیا آہنگ پیدا ہوا۔ عظمت اللہ خاں کے اس تجربے کو ان کے بعض معاصرین نے بھی قبول کیا اور ہندی عروض کے اصولوں کے مطابق اردو میں گیت اور نظمیں لکھنے لگے۔ انھوں نے ہندی شعری روایت کا لحاظ رکھتے

ہوئے عشقیہ جذبات کی عکاسی میں بھی ہندوستانی عناصر کو داخل کیا۔ 'سریلے بول' ان کی اسی نہج پر کہی گئی نظموں اور گیتوں کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے انگریزی نظموں کے تراجم بھی کیے ہیں۔

جوشؔ ملیح آبادی (1896/98-1982) : ان کا نام شبّیر حسن خاں تھا۔ ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ پہلے شبّیر اور بعد میں جوش تخلص اختیار کیا۔ جوش کے پردادا، دادا اور والد سب صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ اگرچہ انھوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن مطالعے کے شوق سے ان کے علم اور سخن فہمی میں اضافہ ہوتا رہا۔ تلاشِ معاش کے سلسلے میں انھوں نے حیدرآباد، دلّی اور ممبئی کا سفر کیا۔ بالآخر دارالترجمہ عثمانیہ حیدرآباد میں ملازم ہوئے۔ وہاں سے دِلّی آکر رسالہ 'کلیم' جاری کیا۔ وہ آل انڈیا ریڈیو سے بھی منسلک رہے۔ فلموں کے لیے گیت اور کہانیاں بھی لکھیں اور پھر سرکاری رسالے 'آجکل' کے مدیر مقرر ہوئے۔ 1956 میں وہ پاکستان چلے گئے اور وہیں اسلام آباد میں ان کا انتقال ہوا۔

اردو نظم نگاری میں اقبالؔ کے بعد جوشؔ کا نام اہم ہے۔ یوں تو جوشؔ نے غزلیں بھی کہی ہیں مگر اردو شاعری میں بہ حیثیت نظم گو ان کا مرتبہ بلند ہے۔ جوشؔ کے متعدد شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں، جن میں 'روح ادب'، 'نقش و نگار'، 'شعلہ و شبنم'، 'فکر و نشاط'، 'رامش و رنگ'، 'سنبل و سلاسل'، 'سرود و خروش'، 'حرف و حکایت' اور 'سموم و صبا' قابلِ ذکر ہیں۔

جوش کی ابتدائی نظموں میں فطرت کی عکاسی ملتی ہے۔ ان نظموں پر اقبالؔ اور ٹیگور کے اثرات نمایاں ہیں۔ بعد میں وہ رومانی اور پھر سیاسی نظمیں لکھنے لگے۔ اِسی لیے اُنھیں 'شاعرِ فطرت'، 'شاعرِ شباب' اور 'شاعرِ انقلاب' کہا جاتا ہے۔

جوش کو زبان و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ وہ تشبیہات اور صنائع کا استعمال بھی خوب کرتے ہیں۔ ان کی نظمیں رواں دواں اور پُرزور ہیں۔ نثر میں بھی جوش نے کچھ مضامین اور اپنی خودنوشت 'یادوں کی برات' لکھی ہے۔

حفیظؔ جالندھری (1900-1982) : ان کا نام محمد حفیظ اور کنّیت ابوالاثر تھی۔ جالندھر کے ایک متوسّط نومسلم راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی تعلیم مدرسے سے شروع کی لیکن اسے مکمل نہ کر پائے اور شعروشاعری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ مشاعروں کے بہت مقبول شاعر تھے۔

حفیظ کی شہرت ان کی طویل مثنوی 'شاہنامۂ اسلام' کے سبب ہے۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ 'نغمۂ راز'، 'سوز و ساز' اور 'تلخابۂ شیریں' ان کی شاعری کے مجموعے ہیں۔ حفیظ کی شاعری غنائیت اور نرم روی کے لیے مشہور ہے۔ ان کے گیت بھی موسیقی سے پُر اور دلکش ہیں۔ انھوں نے اپنی نظموں میں ہیئت کے تجربے بھی کیے ہیں اور بچّوں کے لیے بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ 'شاہنامۂ اسلام' کے حصّۂ دوم میں شامل 'صحرا کی دعا' سے انتخاب حسبِ ذیل ہے:

خبر کیا تھی الٰہی ایک دن ایسا بھی آئے گا
کہ تیرا ساقیِ کوثرؐ یہاں تشریف لائے گا
خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آ کے ٹھہریں گے
شہید آرام فرمائیں گے غازی آ کے ٹھہریں گے
خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا
چھپا کر ایک گوشے میں مصفّا حوض بھر رکھتا
وہ پانی ان مقدس مہمانوں کو پلا دیتا
میں اپنی تشنگی دیدارِ حضرتؐ سے بجھا لیتا
مرے سر پر سے گزرا نوحؑ کے طوفان کا پانی
تاسُّف ہے کہ مجھ سے ہو گئی اس وقت نادانی

جمیلؔ مظہری (1904-1979/80): ان کا نام سید کاظم علی تھا۔ عظیم آباد (پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم موتیہاری اور مظفر پور میں ہوئی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے کیا۔ پٹنہ کالج میں اردو کے اسسٹنٹ لکچرر کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ بعد میں پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہو گئے ۔انتقال مظفر پور میں ہوا۔

جمیل مظہری کا شمار دورِ جدید کے اہم شعرا میں ہوتا ہے۔ انھوں نے نظم کے علاوہ رباعیاں، مرثیے اور غزلیں بھی لکھی ہیں۔ فکر و فلسفہ اور حبّ الوطنی ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ ان کے اہم شعری مجموعے 'آثارِ جمیل'، 'فکرِ جمیل'، 'نقشِ جمیل'، 'وجدانِ جمیل' وغیرہ ہیں۔

'اجتماعِ ضدّین'، 'دو اقبال'، 'غالب کے نقش قدم پر'، 'مجھے کہنا ہے'، اور 'یاد ماضی' ان کے مضامین کے مجموعے ہیں۔ ان کی غزل کا یہ مطلع بھی بہت مشہور ہے ۔

بہ قدرِ پیمانۂ تخیل سرور ہر دل میں ہے خودی کا
اگر نہ ہو یہ فریبِ پیہم تو دَم نکل جائے آدمی کا

اخترؔ شیرانی (1905-1948) : ان کا نام محمد داؤد خاں تھا۔ ٹونک میں پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش لاہور میں ہوئی اور ینٹل کالج لاہور سے انھوں نے تعلیم حاصل کی۔ اُنھیں ادب کے علاوہ فنِ مصوّری اور موسیقی سے بھی لگاؤ تھا۔ اختر شیرانی نے رسالہ 'ہمایوں'، 'سہیلی' اور 'شاہ کار' کی ادارت بھی کی۔ 1925 میں انھوں نے اپنا رسالہ 'انتخاب' جاری کیا۔ بعد میں اس کا نام 'بہارستان' رکھا۔ اس کے بعد رسالہ 'خیالستان' اور 'رومان' بھی نکالا۔

اختر شیرانی نظم نگار اور گیت کار کے طور پر مشہور ہوئے۔ ان کی نظمیں رومانی شاعری کی بہترین مثال ہیں۔ انھوں نے نظم کی روایتی ہیئتوں کے ساتھ ساتھ نئی ہیئتوں میں بھی نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی یہ نظمیں دلچسپ اور دلکش ہیں۔ 'شعرستان'، 'صبحِ بہار'، 'نغمۂ حرم'، 'طیورِ آوارہ'، 'اختر ستان'، 'لالۂ طور' اور 'شہناز' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ نثر میں 'ضحاک' اور 'آئینہ خانے' اُن کی تصانیف ہیں۔ ان کا انتقال لاہور میں ہوا۔